ایک درس مکتب اسلام سے

آقائے شریعت صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب طاب ثراہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

صفات سلبیہ

کوئی شریک نہیں: توحید یعنی اللہ کا ایک ہونا ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی صاحب عقل وفہم جو اللہ کو مانتا ہے انکار نہیں کرسکتا۔ اب یہ مسئلہ اتنا روشن ہوگیا ہے کہ جن مذاہب میں شرک کی آمیزش ہے وہ بھی اپنے کو کسی نہ کسی طرح موحد ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

پورے نظام کائنات کی یک رنگی دلیل ہے کہ منتظم ایک ہی ہے۔

جس بات نے ہمیں اللہ کا وجود تسلیم کرنے پر مجبور کیا وہ یہی تو ہے کہ تخلیق کا وجود بتلاتا ہے کہ خالق کا وجود ضروری ہے تو ایک خالق کے تسلیم کرلینے کے بعد کسی دوسرے خالق کے تسلیم کرنے کے لیے کوئی دلیل نہیں رہتی۔

اللہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں کیونکہ محتاج ہوگا تو ممکن ہوگا اور اس کے لیے کسی خدا کی ضرورت ہوگی۔ اگر دو اللہ مان لیں تو ضروری ہے کہ ان میں دو جز تسلیم کریں ایک وہ مشترک جس کی وجہ سے دونوں اللہ ہیں۔ ایک وہ جس کی وجہ سے دو ہوئے مثلاً زید اور عمرو دو انسان ہیں کیونکہ انسانیت میں دونوں شریک ہیں۔ شکل وصورت اور دوسری باتوں میں الگ الگ۔ جب دو خدا ہوں گے تو کم از کم دو جزو تو دونوں میں ضرور ہوں گے ایک وہ مشترک جزو جس کی بنا پر دونوں کو اللہ تسلیم کرنا پڑا ہے اور دوسرا وہ جزو جس کی بنا پر الگ ذاتیں ہوئیں لہٰذا دونوں خدا دو جزو سے مرکب ہوئے۔ تو دونوں وجود میں محتاج ہوگئے اور اللہ نہ رہے۔

آج اگر یہ سبھی لوگ اپنے کو موحد کہتے ہیں لیکن اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہ تو ذات میں کسی کو شریک کہتا ہے اور نہ صفات میں جیسے ہندو حضرات کہتے ہیں کہ کائنات میں تین قدیم طاقتیں کارفرما ہیں۔ اللہ، روح اور مادہ صفت قدامت میں روح اور مادہ کو اللہ کا شریک قرار دیا تو اسلام اس کو درست نہیں کہتا اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت اور پرستش جائز نہیں ہے جبکہ بہت سے مذاہب میں بتوں کی پوجا کی جاتی ہے جیسے عیسائیوں میں جناب عیسیٰ اور مریم کی پرستش کی جاتی ہے۔

مرکب نہیں

مرکب اسے کہتے ہیں جو دو یا دو سے زائد اجزاء سے مل کر بنیں جیسے انسان کا جسم ہاتھ، پیر اور کان سے اور وہ خود جسم وروح سے مرکب ہے اگر اللہ بھی مرکب ہوگا تو وہ بھی اپنے وجود میں اپنے اجزاء کا محتاج ہوگا اور جو خود محتاج وجود ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا۔

متحیز نہیں

متحیز اسے کہتے ہیں جو کسی جگہ اور مکان میں ہو مثلاً انسان زمین پر ہے اور ہوا اس کو گھیرے ہوئے ہے زمین اس فضا میں جو اس کے چاروں طرف ہے اور ستارے

خلا میں ہیں کسی چیز اور مکان میں وہی چیز ہوتی ہے جو جسم رکھتی ہو اگر اللہ جسم رکھتا تو مرکب ہو جاتا اور مرکب ہوتا تو محتاج ہو جاتا۔

حلول درست نہیں

حلول کہتے ہیں کسی چیز کا کسی چیز میں اس طرح سما جانا کہ جس میں سمائے اس کے حجم میں اضافہ نہ ہو جیسے روح جسم میں سماتی ہے۔ حلول کا مطلب ہے اس شئی میں محدود ہو جانا جس میں حلول کرے۔ اللہ کی محدودیت اس کی عاجزی کا سبب قرار پائے گی۔

محلِ حوادث نہیں

جس طرح کائنات کی ہر شئی حوادث سے متاثر ہوتی ہے کم از کم زمان و مکان کا اثر انداز ہونا ناقابل انکار ہے۔ انسان بچے سے جوان ہوتا ہے اور جوان سے بوڑھا، صحت مند مریض ہوتا ہے۔ اگر اللہ کو محل حوادث مان لیا جائے تو چونکہ موثر قوی اور متاثر کمزور ہو جائے گا اللہ کی طاقت کو بھی ماننا پڑے گا اور کسی کو اس سے بھی قوی تسلیم کرنا پڑے گا۔ دوسرے تغیر ہونا بتاتا ہے کہ قابل فنا ہے کیونکہ تغیر کے نفس میں کسی نہ کسی کی حیثیت سے فنا ہونا ہے۔ بچپنا فنا ہوا جوانی آئی، جوانی فنا ہوئی بڑھاپا آیا۔ اگر خدا متغیر ہوا تو اسے فنا پذیر ماننا پڑے گا جبکہ وہ قدیم ہے۔ یہ کہنا کہ تغیر اس ذات میں نہیں صفات میں ہوا وہاں درست ہے کہ جہاں ذات اور صفات الگ الگ ہوں لیکن جہاں ذات اور صفات ایک ہوں وہاں صفت کے تغیر کا مطلب ہے ذات میں تبدیلی۔

مرئی نہیں

اللہ کو دیکھنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں ہے لاتدرکہ الابصار اس کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ امت کے مجبور کرنے سے جناب موسیٰ نے فرمایا کہ رب ارنی مجھے اپنا جلوہ دکھا دے جواب ملا لن ترانی اے موسیٰ تم مجھے ہرگز نہ دیکھو گے۔ عربی میں لن کے ذریعہ نفی کا مطلب ہے یہ بات ہرگز نہیں ہوسکتی اور کبھی نہیں ہوسکتی۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اللہ قیامت میں مومنین کو اپنا جلوہ دکھائے گا اگر درست ہوتا تو قرآن لن کے ذریعہ نفی نہ کرتا دیکھی وہی چیز جاسکتی ہے جو کسی سمت میں ہو اور سمت میں وہی چیز ہوتی ہے جو جسم رکھتی ہو اور اگر اللہ جسم رکھتا تو دیکھا بھی جاتا۔ دیکھنا صرف رنگ کا ممکن ہے رنگ کیا ہے؟ نور کی وہ لہریں ہیں جو کسی جسم سے منعکس ہو کر پلٹیں جن کو اس جسم نے جذب نہ کیا ہو۔ کیا اللہ کے لیے یہ تصور درست ہے کہ وہ کوئی جسم ہے۔ روشنی کی کچھ شعاعوں کو جذب کر لیتا ہے اور کچھ کو لوٹا دیتا ہے یہ درست نہیں ہے تو اس کا دیکھنا بھی ممکن نہیں اس کو چشم بصارت سے نہیں، چشم بصیرت سے دیکھا جاسکتا ہے اس کو پیشانی کی آنکھوں سے نہیں، دل کی آنکھوں سے دیکھنا ممکن ہے۔ وہ خود نہیں اس کی قدرت کے جلوے دکھائی دیتے ہیں

ہر سو تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(میر انیسؔ)

محتاج نہیں

احتیاج کے معنی ہیں کسی صفت کمال کا معدوم ہونا اور اس کے حصول کا انتظار کرنا اور خدا کے لیے یہ صورت ممکن نہیں کیونکہ وہ وجود ہی وجود ہے اس کے لیے عدم کا تصور نہیں کیا

جاسکتا پھر اگر کوئی صفت کمال بعد میں حاصل ہو تو تغیر لازم آئے گا اور اللہ محل حوادث قرار پائے گا جس کی نفی پہلے کی جاچکی ہے۔

صفات زائد نہیں

اللہ کی صفات کے سلسلہ میں ایک نظریہ تو یہ ہے کہ چونکہ صفت ذات سے الگ چیز ہے اگر اللہ کے لیے صفتوں کو تسلیم کیا جائے گا تو بہت سے قدیم ہوجائیں گے اور قدیم صرف ایک ہوتا ہے لہٰذا اللہ کے لیے کسی صفت کی تجویز درست نہیں۔ سوال ہوتا ہے کہ پھر تمام کتب سماوی انبیاء اور قرآن نے اللہ کی جو صفات بیان کی ہیں کہ وہ عالم ہے، قادر ہے وغیرہ ان کا کیا مطلب ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ عالم کا مطلب ہے جاہل نہیں، قادر کا مطلب ہے مجبور نہیں، یعنی تمام صفات ثبوتیہ کا حاصل صفات سلبیہ ہیں۔

کچھ لوگوں نے کہا کہ اللہ اسی طرح عالم ہے جس طرح ہم، اسی طرح قادر ہے جس طرح ہم یعنی اس کے صفات کی بھی وہی حالت ہے جو ہماری صفات کی ہے۔ ہماری ذات اور صفات الگ الگ ہیں اس طرح اللہ کی ذات اور صفات الگ الگ ہیں۔ اور یہ صفتیں اللہ کی ذات میں قائم ہیں لیکن شیعوں کا راستہ اس کے درمیان کا ہے اولاً تو اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کی ذات صفات سے خالی ہو۔ دوسرے اس کا کوئی مطلب نہیں کہ عالم ہے، نہ کہو! جاہل نہیں ہے، کہو!۔ جاہل اور عالم کے درمیان کوئی چیز نہیں جاہل نہیں کا مطلب سوائے اس کے کہ عالم ہے اور کیا ہوسکتا ہے اور اگر صفات ذات سے الگ ہوں تو کئی قدیم ماننے پڑیں گے بلکہ چونکہ صفات الٰہی لامحدود ہیں اس لیے لامحدود قدیم تسلیم کرنا پڑیں گے۔

عدل

عدل کے معنی ہیں خداوند عالم وہی بات کرتا ہے جو انصاف کے مطابق ہو۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا یہ ممکن نہیں کہ نیکوکاروں اور عبادت گزاروں کو تو جہنم میں ڈال دے اور بدکرداروں کو جنت میں پہنچادے۔ اللہ کی صفت عدل بھی دیگر صفات ثبوتیہ کی طرح ہے مگر اس کو اصول دین میں اس کے لیے بیان کیا جاتا ہے کہ بعض لوگوں نے اللہ کی عدالت سے انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے لیے عدالت کا کوئی سوال ہی نہیں۔ کیوں کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا پیدا کیا ہوا اور اس کی مالکیت ہے۔ اپنی مالکیت میں مالک کو حق ہوتا ہے جیسا چاہے تصرف کرے۔ مالک ایک ہی کپڑے کے ایک جز کی ٹوپی اور دوسرے کی جراب بنا سکتا ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ یہ کہے ایک کو پستی کیوں اور دوسرے کو بلندی کیوں دی۔ اسی طرح اچھے بھی اللہ کے بندے ہیں اور برے بھی۔ اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو اچھوں کو جہنم میں جھونک دے اور بروں کو جنت کی بلندترین منزل میں جگہ دے۔ **لا یسئل عما یفعل** اس سے کسی کو باز پرس کا حق نہیں۔

یہ درست ہے کہ ہر شئے اللہ کی ملکیت ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اللہ سے کوئی بلند نہیں کہ اس سے کوئی باز پرس کرے۔ لیکن چوں کہ ظلم کی صفت اپنی جگہ بری ہے اور اللہ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے اس کی تسبیح یعنی عیب سے پاکیزگی کی گواہی کائنات کی ہر شئے دیتی ہے لہٰذا اللہ کی ذات پر ظلم کا دھبہ بھی نہیں آسکتا ہے۔ جراب اور ٹوپی کی

مثال درست نہیں ہے کیونکہ کپڑا نہ ارادہ رکھتا ہے نہ اختیار۔ نہ اس کے یہاں اطاعت کا تصور ہے اور نہ نافرمانی کا لہٰذا مالک کو اختیار کلی حاصل ہے لیکن اگر ایک شخص کے دو غلام ہوں ایک ہر طرح مطیع و فرماں بردار ہو پوری تندہی سے مالک کا ہر حکم بجالائے اور دوسرا گستاخی، زبان درازی اور نافرمانی کرے اور مالک پہلے کو انعام دینے کے بجائے سزا دے اور دوسرے کو سزا کے بجائے انعام دے تو مالک کا یہ عمل ناپسندیدہ قرار دیا جائے گا۔

تعجب ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں خدا کی عدالت کے متعلق اتنی تصریحات کے بعد کیسے اختیار کیا جاتا ہے۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے **لیس بظلام للعبید** اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ کہیں ارشاد ہے **الالعنة الله علی القوم الظالمین** ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ جو دوسروں پر ظلم کی وجہ سے لعنت کرے وہ خود کیسے ظلم کرے گا۔ کہیں ارشاد ہے: ''**شهد الله انہ لا الہ الا هو والملئکة واولوا العلم قائما بالقسط**'' اللہ خود ملائکہ اور تمام اہل علم (جن میں کل انبیاء آگئے) اس کے گواہ ہیں کہ وہ ایک ہے اور عدل وانصاف پر قائم ہے۔ قرآن اعلان کر رہا ہے اللہ کی بات صداقت وعدل کے لحاظ سے پوری ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے ''کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس جرم میں مبتلا نہ کرے کہ تم عدالت سے نہ پیش آؤ، عدل کرو یہی بات تقویٰ سے قریب ہے'' قرآن کہتا ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین کی غرض بعثت قیام عدل ہے۔

''ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی ہوئی سچائی کی دلیلیں دے کر بھیجا ان کے ساتھ کتاب اور میزان عمل نازل کی (سب اس لیئے کہ) لوگ عدل وانصاف کے ساتھ قیام کریں۔''

اب آپ بتائیے کہ ان سب آیتوں کی روشنی میں کیسے ممکن ہے کہ اللہ کو عادل نہ مانا جائے۔

اللہ کو عادل نہ ماننے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن میں جنت وجہنم، عذاب وثواب وغیرہ کے متعلق جتنی آیات ہیں سب بیکار ہوجائیں۔ یہ اسی لیئے تو ہیں کہ عبادت واطاعت کا شوق پیدا ہو اور نافرمانی سے بچا جائے اور جب انسان یہ سوچے کہ ممکن ہے سب کچھ کرنے کے بعد بھی جہنم میں چلا جاؤں اور ہر برائی کرنے کے بعد بھی جنت مل جائے تو کسی کو کیا پڑی ہے زحمت برداشت کرنے اور بیکار کی دردسر مول لینے کی۔

کچھ لوگ (معتزلہ) عدالت الٰہی کے درجہ میں اتنا حد سے بڑھ گئے کہ انہوں نے اللہ کی طرف سے قیامت میں بخشے جانے اور شفاعت وغیرہ سب کا انکار کردیا۔ کیوں کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا لازمی نتیجہ ہے کہ سزا ملے۔ یہ کہتے ہیں کہ جس طرح فرماں بردار کو جزا نہ دینا خلاف عدالت ہے اسی طرح نافرمان کو سزا نہ دینا خلاف عدالت ہے۔ اللہ نے قرآن میں اور رسولؐ نے احادیث میں تصریح کی ہے کہ اطاعت کروگے تو جزا ملے گی اور نافرمانی کروگے تو سزا ملے گی۔ کسی کے لیئے انعام کے اقرار کو وعدہ اور سزا کے اعلان کو وعید کہتے ہیں۔ اور اللہ و رسولؐ کے کلام میں وعدے بھی ہیں اور وعید بھی رسولؐ کی صفت بشیر بھی ہے اور نذیر بھی۔ بشیر جو اچھائی کی خبر دے اور نذیر جو عذاب سے ڈرائے۔ تو دونوں باتوں کو پورا ہونا چاہئے۔

(جاری)